(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب اوّل ——— قصہ آدم علیہ السلام

فصل ۱۰

فصل ۱۰

مسئلۂ خلافت کے متعلق ایک بحث

تمہید

خداوند عالم نے ، جو ساری کائنات کا خالق اور مالک اور فرمانروا ہے ، اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصے میں ، جسے زمین کہتے ہیں ، انسان کو پیدا کیا اور جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں ۔ بھلائی اور برائی کی تمیز دی ۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا کی ۔ تصرف کے اختیارات بخشے اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری (AUTONOMY) دے کر اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا[1]

اس منصب پر انسان کو مقرر کرتے وقت خداوند عالم نے اچھی طرح اس کے کان کھول کر یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی کہ تمہارا اور تمام جہان کا مالک ، معبود اور حاکم میں ہوں ۔ میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو ، نہ کسی دوسرے کے بندے ہو ، اور نہ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت و بندگی اور پرستش کا مستحق ہے ۔ دنیا کی یہ زندگی جس میں تمہیں اختیارات دے کر بھیجا جا رہا ہے دراصل تمہارے لیے ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں میرے پاس واپس آنا ہوگا اور میں تمہارے کام کی جانچ کر کے فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے

---

[1] خلیفہ وہ جو کسی کی ملک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اُس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے ۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا ، بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے ۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے ، بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے منشاء کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا ، بلکہ اس کا کام مالک کی منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے ۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے ۔ یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کے منشاء کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے ، تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے ۔ (از مؤلف)

کون امتحان میں کامیاب رہا ہے اور کون ناکام۔ تمھارے لیے صحیح رویّہ یہ ہے کہ مجھے اپنا واحد معبود اور حاکم تسلیم کرو۔ جو ہدایت میں بھیجوں اس کے مطابق دنیا میں کام کرو، اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے اس شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمھارا اصل مقصد میرے آخری فیصلے میں کامیاب ہونا ہے۔ اس کے برعکس تمھارے لیے ہر وہ رویّہ غلط ہے جو اس سے مختلف ہو۔ اگر پہلا رویّہ اختیار کرو گے (جسے اختیار کرنے کے لیے تم آزاد ہو) تو تمھیں دنیا میں امن و اطمینان حاصل ہوگا اور جب میرے پاس پلٹ کر آؤ گے تو میں تمھیں ابدی راحت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جس کا نام جنّت ہے۔ اور اگر دوسرے کسی رویّہ پر چلو گے (جس پر چلنے کے لیے بھی تم کو آزادی ہے) تو دنیا میں تم کو فساد اور بے چینی کا مزا چکھنا ہوگا اور دنیا سے گزر کر عالمِ آخرت میں جب آؤ گے تو ابدی رنج و مصیبت کے اس گڑھے میں پھینک دیے جاؤ گے جس کا نام دوزخ ہے۔

یہ فہمائش کر کے مالکِ کائنات نے نوعِ انسانی کو زمین میں جگہ دی اور اس نوع کے اوّلین افراد (آدمؑ و حوّا) کو وہ ہدایت بھی دے دی جس کے مطابق انھیں اور ان کی اولاد کو زمین میں کام کرنا تھا۔ یہ اوّلین انسان جہالت اور تاریکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ خدا نے زمین پر ان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں کیا تھا۔ وہ حقیقت سے واقف تھے۔ انھیں ان کا قانونِ حیات بتا دیا گیا تھا۔

خلافت کی بحث

خلافت کی بحث میں سب سے پہلے ہم کو لغتِ عرب کی طرف رجوع کر کے یہ تحقیق کرنا چاہیے کہ کیا فی الواقع عربی زبان میں اس لفظ کے معنی صرف "جانشینی" ہی کے ہیں یا اس کے معنی نیابت کے بھی آتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی اپنی مفردات میں لکھتے ہیں:

والخلافة نيابة عن الغير اما لغيبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشريف المستخلف۔	خلافت کسی دوسرے کی نیابت ہے، خواہ منوب علیہ کے غائب ہونے کی وجہ سے ہو، یا اس کی موت کے سبب سے ہو، یا اس کے عجز کے سبب سے، یا اس شخص کو بزرگی عطا کرنے کے لیے جسے خلیفہ بنایا گیا ہے۔

لین (LANE) نے اپنی مشہور لغت مدالقاموس (ARABIC ENGLISH LEXICOM) میں لفظ خلیفہ کے معنی (SUCCESSOR) کے علاوہ (VICEGERENT) کے بھی لکھے ہیں۔

خلافت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ منوب عنہ مر جائے یا موجود نہ ہو۔ امام راغب لکھتے ہیں۔ خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا قَامَ بِالْاَمْرِ عَنْہُ اِمَّا مَعَہٗ وَاِمَّا بَعْدَہٗ۔" فلاں شخص فلاں شخص کا خلیفہ ہوا یعنی اس کی طرف سے کارپرداز ہوا خواہ اس کے ساتھ یا اس کے بعد۔"

اس مادے سے جو ابواب مشتق ہوئے ہیں ان کی خاصیتوں سے اس کے معنی میں بھی تغیر واقع ہوتا ہے۔

خَلَفَ خِلَافَۃً کے معنی خلیفہ ہونے یا بعد میں آنے یا پیچھے رہنے کے ہیں۔ خَلَفَہٗ خِلَافَۃً کَانَ خَلِیْفَتَہٗ وَبَقِیَ بَعْدَہٗ وَجَاءَ بَعْدَہٗ (تاج العروس) قرآن مجید میں ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْکِتٰبَ (الاعراف۔ ۲۱) یعنی" ان کے بعد ایسے ناخلف آئے یا ان کے جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے"۔ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ (اعراف۔ ۱۷)" اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم کے اندر میرے بعد میرا جانشین یا نائب ہو"۔ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ (الاعراف۔ ۱۸)" موسیٰ نے کہا کہ میرے بعد تم نے میری بہت بری نیابت کی"۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ (الزخرف۔ ۶)" اگر ہم چاہیں تو زمین میں تم میں سے ملائکہ پیدا کریں جو تمھاری جگہ آباد ہوں"۔

تَخَلَّفَ کے معنی پیچھے رہ جانے کے ہیں۔ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (التوبۃ۔ ۱۵)

اَخْلَفَ کے معنی کھوئی ہوئی چیز واپس دینے یا دلانے یا اس کا بدل عطا کرنے کے ہیں۔ اَخْلَفَ اللّٰہُ لَکَ وَعَلَیْکَ خَیْرًا ای ابدلک بما ذھب عنک وعوضک عنہ (نہایہ ابن اثیر) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سبا۔ ۵) "جو تم خرچ کرو اللہ اس کا نعم البدل تم کو دے گا اور وہ بہترین رازق ہے"۔ حدیث میں ہے تَکَفَّلَ اللّٰہُ لِلْغَازِیْ اَنْ یُّخْلِفَ نَفَقَتَہٗ۔ "اللہ نے غازی کے لیے ذمہ لیا ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرے گا اللہ اس کا بدل عطا کرے گا"۔

خَلَّفَ اور اِسْتَخْلَفَ کے معنی اپنا خلیفہ بنانے کے ہیں، یُقَالُ خَلَّفَ فُلَانًا اِذَا جَعَلَہٗ خَلِیْفَتَہٗ کَاسْتَخْلَفَہٗ (تاج العروس)

اِسْتَخْلَفَ کہہ کر اگر منوب عنہ کی تصریح نہ کی گئی ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنا خلیفہ بنایا، استخلف فلانا ای جعلہ خلیفۃ لہ۔ اور اگر منوب عنہ کی تصریح ہو تو پھر معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص کا جانشین بنایا

جس کا ذکر کیا گیا ہے استخلف فلانا من فلان ای جعلہ مکانہ (اقرب الموارد) پس جہاں قرآن مجید نے محض استخلاف کا ذکر کیا ہے اور مستخلف لہٗ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا مثلاً لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (النور۔ ۷) ایسے مقامات پر استخلاف کے معنی یہی ہوں گے کہ اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور جہاں مستخلف لہٗ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہاں معنی یہ ہوں گے کہ دوسرے کی جگہ یا دوسرے کے بعد خلیفہ بنایا۔ لیکن واضح رہے کہ جب کبھی پچھلے نائب کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا جائے گا تو اس میں دونوں مفہوم شامل ہوں گے، یعنی اس کا مفہوم یہ بھی ہوگا کہ حاکمِ اعلیٰ نے فلاں شخص کو فلاں شخص کی جگہ مقرر کیا اور یہ بھی کہ اس نے فلاں شخص کے بعد فلاں شخص کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ استخلف الملک اللورد اردن بعد اللورد ریدنگ فی ولایۃ الھند تو اس کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ بادشاہ نے لارڈ اردن کو لارڈ ریڈنگ کے بعد ہندوستان کی ولایت میں اپنا وائسرائے مقرر کیا۔ ان دونوں مفہوموں میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے کہ بیک وقت صادق نہ آسکیں پس اِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ کا یہ مفہوم بھی ہے کہ خدا تمہاری جگہ دوسروں کو دے دے گا اور یہ بھی کہ خدا تمہاری جگہ دوسروں کو اپنا خلیفہ بنا لے گا۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے کوئی امر ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں مفہوم لینے میں مانع نہیں ہے۔

جَعَلَهٗ خَلِيفَةً کے معنی صرف خلیفہ بنانے کے ہیں۔ خلیفہ کے معنی خواہ نائب کے ہوں یا جانشین کے، دونوں صورتوں میں اس کا مفہوم ایک اضافی مفہوم ہے اور اس کا اتمام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ کوئی مستخلف لہٗ اور منوب عنہ بھی ہو، عام اس سے مقدر ہو یا مذکور۔ پس جس جگہ جعل خلیفہ کے ساتھ قرآن مجید نے مستخلف لہٗ کی تصریح کر دی ہے وہاں تو مفہوم واضح ہے، مثلاً وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ (الاعراف۔ ۹) اور وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ (اعراف۔ ۱۰) اور ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (یونس۔ ۲) لیکن جہاں مستخلف لہٗ کی طرف قطعاً کوئی اشارہ نہیں ہے وہاں ایک مستخلف لہٗ مقدر ماننا پڑے گا، مثلاً يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (ص۔ ۲) اور وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (النمل۔ ۵) اور وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ (انعام۔ ۲۰) اور إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (بقرہ۔ ۴) اس طرح کی تمام آیات کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں انسان یا انسانوں کو کس کا خلیفہ بنانے کا ذکر ہے؟ اگر آپ کہتے

ہیں کہ پچھلی مخلوقات یا گزشتہ اقوام یا شاہان پیشین کا خلیفہ، تو قطع نظر اس سے کہ یہ ایک تکلف ہے، بعض آیتوں میں یہ معنی کھپتے ہی نہیں۔ مثال کے طور پر دیجعلکم خلفاء الارض میں خلفاء کو زمین کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ زمین کے خلفاء ہے۔ اس سے یہ معنی نکالنے کی کہاں گنجائش ہے کہ زمین پر پہلے جو لوگ متمکن تھے ان کے خلفاء، پھر انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے معنی اگر یہ لیے جائیں کہ "میں پچھلے ساکنینِ ارض کا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں اُن ساکنینِ ارض کا ذکر کیا ہے جن کی خلافت انسان کے سپرد کی گئی ہے؟ اگر کیا ہے تو حوالہ پیش کیجیے۔ اگر نہیں کیا تو فرمائیے کہ ایسی صورت میں محض زبان اور ادب کے نقطۂ نظر سے اس فقرے کا یہ مفہوم زیادہ اقرب الی الفہم ہے کہ "میں پچھلے مجہول الحال ساکنینِ ارض کا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" یا یہ کہ "میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں"؟ اگر سامع صرف عربی جانتا ہو اور ان عقلی مقدمات سے نا آشنائے محض ہو جنھیں ترتیب دے کر ایک نتیجہ اخذ کیا گیا ہو، تو اس فقرے کو سن کر وہ ان دونوں معنوں میں سے کون سے معنی مراد لے گا؟

خلافت میں فرمانروائی کا مفہوم

اس لغوی تحقیق کے بعد غور فرمائیے کہ خلافت کے معنی تو محض جانشینی یا قائم مقامی یا بعد میں آنے کے ہیں، پھر اس میں بادشاہی اور فرمانروائی کا مفہوم کہاں سے آگیا؟ اگر نفسِ خلافت اس مفہوم سے خالی ہے، اور یقیناً خالی ہے تو اس میں یہ مفہوم اس اعتبار سے آسکتا ہے کہ خلیفہ کو خلافت کسی فرمانروا اور کسی سلطان سے ملی ہو۔ پھر جب انسان کو وہ خلافت ملی جس میں خود آپ کے اعتراف کے مطابق سلطنت و فرمانروائی کی جھلک ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ انسان جس کا خلیفہ ہوا وہ کوئی فرمانروا تھا۔ اب فرمائیے کہ کیا قرآن سے علمی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر کوئی ایسی مخلوق تھی جس میں فرمانروائی کی شان تھی؟ فرمانروائی کے لیے علم، حکمت، اختیار، ارادہ، قدرت وغیرہ صفات کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے بغیر زمین اور اس کی موجودات پر فرمانروائی نہیں ہو سکتی۔ علمی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس کرۂ خاکی پر انسان سے پہلے کوئی مخلوق ایسی موجود نہ تھی جو ان صفات سے متصف ہوتی۔ اسی کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے۔ وہ ہم کو بتاتا ہے کہ انسان سے پہلے خدا کی جو مخلوق سب سے افضل تھی یعنی ملائکہ جن کو (عباد مکرمون) کہا گیا ہے اس کا بھی یہ حال تھا کہ علمِ اشیاء سے بے خبر تھی (ثم عرضھم علی الملٰئکۃ

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ ۔ ۴) اور ارادہ و اختیار کی آزادی سے بالکل محروم تھی۔ وَلَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم ۔ ۱) دوسری مخلوق جن تھے، سو ان کے متعلق کوئی بات قرآن مجید نے ایسی بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان کو زمین کی فرمانروائی حاصل تھی۔ رہے حیوانات و نباتات و جمادات، تو ان کا حال آپ جانتے ہیں۔ پھر آخر وہ کون سی مخلوق تھی جس کی خلافت، زمین کی فرمانروائی کے اعزاز کے ساتھ انسان کو حاصل ہوئی۔

تاہم اگر مان لیا جائے کہ یہ پرانے ساکنینِ ارض ہی کی خلافت ہے، اور وہ ساکنینِ ارض انسان سے پہلے زمین کے فرمانروا تھے، تو کیا وہ بالاصالت فرمانروا تھے، یا ان کی فرمانروائی بھی نائبانہ تھی؟ پہلی شق تو آپ اختیار نہیں کر سکتے، کیونکہ اسلامی عقیدہ کی رُو سے بالاصل اور بالذات فرمانروا صرف حق تعالیٰ ہے، اور اس کے سوا سب کی فرمانروائی محض عطائی ہے۔ اب رہی دوسری شق تو اس کو اختیار کرنے کی صورت میں یا تو آپ کو خلافت در خلافت کا ایک لامتناہی سلسلہ ماننا پڑے گا۔ یا پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ فرمانروائی کی شان خواہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی خلفاء کو ملی ہو، بہرحال اس کا سرچشمہ وہی ذاتِ حق تعالیٰ ہے، اور خلافت میں بادشاہی کی جھلک اسی وقت آسکتی ہے جب کہ وہ خلافت الٰہی ہو۔

قرآنی اشارات

اب میں آپ کو اُن قرآنی اشارات کی طرف توجہ دلاؤں گا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جس خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے وہ دراصل خلافتِ الٰہی ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا، قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (ص ۔ ۵) اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدہ ۔ ۱) اس کو علم کی نعمت سے سرفراز کیا، وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ ۔ ۴) زمین و آسمان کی ساری چیزوں کو اس کے حق میں مسخر کر دیا، وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ ۔ ۲) ان صفات کے ساتھ جب انسان کی تخلیق پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے آگے سجدہ کریں۔ یہ حکم سورۂ ص کے آخر میں جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ	جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے
إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ	ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں، پس جب میں اس کو
فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ	پورا بنا لوں اور اس کے اندر اپنی روح سے کچھ
مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُۥ سٰجِدِينَ	پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ چنانچہ
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ	تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ گھمنڈ
أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّآ إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ	میں پڑ گیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ۝ قَالَ	فرمایا کہ اے ابلیس کس چیز نے تجھے اس ہستی کو
يٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ	سجدہ کرنے سے منع کیا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں
لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ	سے بنایا ہے۔ تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا ہے
أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝ قَالَ	یا واقعی تو کچھ بڑے لوگوں میں سے ہے؟ اس نے
أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي	کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے
مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن	پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ اس پر
طِينٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا	اللہ نے فرمایا اچھا تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ (ص، آیات ۷۱ تا ۷۷)	مردود ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔ یعنی وہ قدرت اور صنعتِ الٰہی کا مظہرِ اَتم تھا۔ اور اس کے اندر خود اپنی طرف سے ایک خاص روح پھونکی تھی اور ایک محدود پیمانے پر اس میں وہ صفات پیدا کر دی تھیں جو بدرجۂ فوق التمام خود باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اس شان اور ان صفات پر انسان کو پیدا کرنے کے بعد اعلان کیا گیا کہ ہم اس کو زمین میں خلیفہ بنانے والے ہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں ارشاد ہوا ہے۔ فرشتوں نے اس معاملہ میں کچھ اپنے شکوک پیش کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے انسان کی سب سے افضل صفت یعنی علم کا مظاہرہ کرایا۔ اس طرح جب خلافت کے لیے انسان کی اہلیت ثابت کر دی گئی تو فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی خلافت تسلیم کرو اور علامتِ تسلیم کے طور پر اسے سجدہ کرو۔ تمام فرشتوں نے اسے تسلیم کیا اور سربسجود ہو گئے، مگر شیطان نے اس کی خلافت ماننے سے انکار کیا، اس لیے اس کو راندۂ درگاہ

کر دیا گیا۔

یہ تمام اشارات کیا ظاہر کر رہے ہیں؟ تمام مخلوقات پر انسان کی فضیلت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تمام مقابلہ میں اس کی فضیلت ثابت کی جاتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ ہماری صفات کا مظہر اتم ہے اور ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک خاص روح پھونکی ہے۔ حکم ہوتا ہے اور وہ بھی کس کو؟ فرشتوں کو کہ اس کو سجدہ کرو۔ ان سب باتوں کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم اس کو خلیفہ بنانے والے ہیں۔ ان تیاریوں کے ساتھ جس خلیفہ کی خلافت کا اعلان کیا گیا، کیا وہ محض پرانے ساکنینِ ارض ہی کا خلیفہ تھا؟ اگر بات صرف اتنی ہی تھی کہ پرانے بسنے والوں کی جگہ کسی دوسرے کو لیا جا رہا تھا تو اس کے لیے فرشتوں کے سامنے اس کی خلافت کا اعلان کرنے اور یوں اس کی فضیلت کا مظاہرہ کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر ملائکہ کو یہ حکم کیوں دیا گیا کہ اس کرۂ خاکی کے نوآبادکار کو، جو فقط دوسرے لوگوں کی جگہ لینے کے لیے جا رہا تھا، سجدہ کریں؟

خلافتِ الٰہی سے مراد کیا ہے؟

دوسری بات جو قرآن مجید میں ایک اور موقع پر ارشاد ہوئی ہے، خلافتِ الٰہی کے مفہوم پر صاف روشنی ڈالتی ہے۔ فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى	"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ	پر پیش کیا تھا مگر انھوں نے اس کا بار اٹھانے
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ	سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ	نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور انجام
كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب۔۷۲)	سے بے خبر تھا۔"

اس آیت میں بارِ امانت سے مراد اختیار (FREEDOM OF CHOICE) اور ذمہ داری و جوابدہی (RESPONSIBILITY) ہے اور ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں میں اس بار کو اٹھانے کی تاب نہ تھی۔ انسان سے پہلے کوئی مخلوق ایسی نہ تھی جو یہ پوزیشن قبول کر سکتی۔ آخر کار انسان آیا اور اس نے یہ بار اٹھایا۔ اس بیان سے متعدد نکات نکلتے ہیں۔

۱۔ انسان سے پہلے زمین و آسمان میں کوئی مخلوق بارِ امانت کی حامل نہیں تھی۔ انسان پہلی مخلوق ہے جس نے یہ بار اٹھایا ہے۔ لہٰذا منصبِ امانت میں وہ کسی مخلوق کا جانشین (SUCCESSOR) نہیں ہے۔

۱۔ جس چیز کو سورۂ بقرہ میں خلافت کہا گیا ہے وہی چیز یہاں امانت کے لفظ سے تعبیر کی گئی ہے۔ کیونکہ وہاں فرشتوں پر ثابت کیا گیا تھا کہ تم خلافت کے اہل نہیں ہو۔ اس کا اہل انسان ہے۔ اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق بھاری امانت کا بار اٹھانے کی اہل نہیں تھی، صرف انسان اس کا متحمل ہوا۔

۲۔ خلافت کے مفہوم کو امانت کا لفظ واضح کر دیتا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ نظامِ عالم میں انسان کی صحیح حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انسان زمین کا فرمانروا ہے مگر اس کی فرمانروائی بالاصالت نہیں ہے بلکہ تفویض کردہ (DELEGATED) ہے لہذا اللہ نے اس کے اختیاراتِ مفوضہ (DELEGATED POWERS) کو امانت سے تعبیر کیا ہے، اور اس حیثیت سے کہ وہ اس کی طرف سے ان اختیاراتِ مفوضہ کو استعمال کرتا ہے اسے خلیفہ (VICEGERENT) کہا ہے۔ اس تشریح کے مطابق خلیفہ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شخص جو کسی کے بخشے ہوئے اختیارات کو استعمال کرے۔ (PERSON EXCERCIS-ING DELEGATED POWERS)

(باقی)